© rasailojaraid.com

حدیث وسنت

کامران طاہر

'روایت مسلسل بالمصافحہ' کا تحقیقی جائزہ

امسال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں لاہور میں ایک نئی بدعت کا احیا ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ڈاکٹر طاہر القادری نے ایک موضوع وغیر معتبر روایت کی بنا پر اپنے پیروکاروں کو جنت کے ٹکٹ بانٹنا شروع کیے۔ اور یہ دعویٰ کیا کو جو شخص مجھ سے مصافحہ کرے گا، اس کے لئے اس روایت کی رو سے جنت لازم ہو جائے گی۔ نہ صرف یہ کہ اس مصافحہ کے لئے لوگوں کی قطاریں لگیں بلکہ اس کی مصدقہ سند بھی ڈاکٹر صاحب کی طرف سے جاری کی جانے لگی، جس پر ان کے دستخط اور مہر بھی ثبت ہے۔ لوگوں کو اس قدر آسانی سے جنت کے پرمٹ ملیں تو اور کس چیز کی ضرورت ہے......؟

کتاب وسنت اور علومِ نبوت کے محافظوں کو حسبِ سابق اس صورتحال پر گہری تشویش ہوئی اور اُنہوں نے اس بنیاد کا سراغ لگایا، جس پر یہ سارا ڈھونگ کھڑا کیا گیا ہے۔ ذیل میں اسی روایت کا تفصیلی و تحقیقی جائزہ قارئینِ محدث کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے جسے ادارہ محدث کے ریسرچ فیلو جناب کامران طاہر نے تحریر کیا ہے۔ حدیث وسنت کے متوالوں کا فرض ہے کہ وہ اس تحریر کو بھی اسی حد تک پھیلائیں جہاں جہاں اس بدعت کا بول بالا ہوا ہے تا کہ ہمارے ذمے عائد اسلام کی حفاظت کا فرض پورا ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا قیامت تک محافظ و مددگار ہے۔ واللہ المستعان (ح م)

آج کل ہمارے ہاں اس روایت کا بڑا چرچا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "من صافحني أو صافح من صافحني إلیٰ یوم القیامة دخل الجنة" ''جس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور جس نے مجھ سے مصافحہ کرنیوالے سے قیامت تک مصافحہ کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

'حدیثِ مسلسل' سے مراد محدثین کے ہاں ''کسی حدیث کی سند کے رواۃ کی کسی ایک حالت یا صفت کا تسلسل سے منقول ہونا ہے۔'' جس حدیث میں یہ حالت یا صفت پائی جائے، اسے حدیثِ مسلسل کہتے ہیں۔ زیر بحث روایت میں چونکہ راویان کی صفت 'باہمی مصافحہ' کا ذکر ہے، اس لیے یہ روایت مسلسل بالمصافحہ کے نام سے مشہور ہے۔

ذیل میں یہ واضح کیا جائے گا کہ محدثین کے ہاں اس روایت کی حیثیت کیا ہے؟

◉ اس روایت کو محمد عبدالباقی الانصاری نے اپنی کتاب مناهل السلسلة في الأحاديث المسلسلة میں مکمل سند کے ساتھ یوں ذکر کیا ہے:

صافحني شيخنا فالح بن محمد الظاهري قال: من صافحني أو صافح من صافحنى إلىٰ يوم القيامة دخل الجنة . قال: صافحني شيخنا الأستاذ محمد بن علي الخطابي وقال: من صافحني أو صافح من صافحني إلى يوم القيامة دخل الجنة، صافحنى الأستاذ محمد بن عبد السلام الناصري وقال: كذلك صافحني الإمام أبو الحسن على بن محمد بن ناصر وقال كذلك عن والده وقال: كذلك عن أبى إسحاق السباعي كذلك قال: صافحني أبو سالم عبدالله العياش قال: كذلك صافحني أبومهدي عيسٰى بن محمد الثعالبي وقال: كذلك صافحني أبو عثمان سعيد الجزائري وقال: كذلك صافحني أبو عثمان سعيد بن أحمد المقرى وقال: كذلك صافحني سيدي أحمد حجي الوهراني وقال: كذلك صافحني الإمام الزواوي وقال: كذلك صافحني الشريف محمد الفاسي نزيل الإسكندرية وقال: كذلك صافحنى والدي الشريف عبدالرحمن وعاش من العمر مائة وأربعين وقال: كذلك صافحني الشهاب أحمد بن عبد الغفار بن نوح القوصي وقال: كذلك صافحني أبو العباس الملثم وقال: كذلك صافحني المعمر وقال: كذلك قال: صافحني رسول الله ﷺ وقال: «من صافحني أو صافح من صافحني إلى يوم القيامة دخل الجنة» (ص:٥٠)

◉ اسی معنی کی ایک اور روایت ابوسعید الحبشی الصحابی المعمر سے روایت کی گئی ہے اور اس میں ابن طیب کے حوالے سے یہ اضافہ بھی کیا گیا ہے:

من صافحني صافحته يوم القيامة ووجبت عليّ شفاعته وكذا من صافح من صافحنى إلى سبع مرات وجبت عليّ شفاعته (ص٥٤،٥٥)

◉ علاوہ ازیں نبی ﷺ سے مصافحہ کے متعلق اس معنی کی روایات خضرؑ اور قاضی شمهورش جنی صحابی سے بھی مروی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ کا اُمت ِمحمدیہ ؐ پر یہ احسان ہے کہ اس نے شریعت ِمحمدی کو غش وغل سے محفوظ رکھنے کے لئے اسباب پیدا فرما دیے کہ دین کے اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے کی کوئی کوشش آج تک کامیاب نہیں ہوسکی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ ایسا مصدر تھے جو آپ ﷺ کی شریعت کے کما حقہ گواہ تھے، پھر ان ہستیوں کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد نبی ﷺ کی طرف منسوب من گھڑت روایات کا دور دورہ شروع ہوا جن کی روک تھام کے لئے اللہ تعالیٰ نے محدثینؒ کا سلسلہ پیدا فرمایا جنہوں نے نہ صرف آپ ﷺ کی احادیث کو جمع فرمایا بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں راوی اور روایت کو پرکھنے کے ایسے متفقہ اُصول وضع کئے کہ من گھڑت روایات احادیث ِرسول ؐ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوگئیں۔ انہوں نے ان اُصولوں کی کسوٹی پر ہر ایک راوی کو پرکھا جس کی زد میں بظاہر زہد وتقویٰ کے مرقع، ائمہ وصلحا اور صوفیا سب کے سب آئے اور اس طرح کھرے کو کھوٹے سے الگ کردیا گیا۔

اس سلسلہ میں محدثین کرام کی روشن دماغی اور گرانقدر خدمات کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہارون الرشید کے پاس ایک زندیق لایا گیا انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیا تو زندیق نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ کیا سمجھتے ہیں، میں نے آپ کے درمیان چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں اور ان میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے جس کا ایک حرف بھی رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا۔ (میرے قتل کردینے سے یہ حدیثیں تو نہیں مٹ جائیں گی؟) یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید نے کہا: ''أین أنت یا زندیق؟ من عبد الله بن المبارك وأبي إسحاق الفزاري ینخلانها فیخرجانها حرفا حرفا'' ''اے زندیق! تو عبد اللہ بن مبارک اور ابو اسحق فزاری سے بچ کر کہاں جائے گا؟ وہ تیری ان واہیات کو چھانٹ لیں گے اور اس کا ایک ایک حرف الگ نکال لیں گے۔''

(تہذیب التہذیب:۱/۱۵۲، تنزیہ الشریعة:۱/۱۶)

محدثین نے اسناد کا سلسلہ شروع کرکے ہر مفتری وفاسق کا قافیہ تنگ کردیا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ کرسکے جو آپ ﷺ نے نہ کہی ہو۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: ''الإسناد من الدین ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء''

www.KitaboSunnat.com

''اسناد دین کا حصہ ہے اور اگر اسناد نہ ہوتی تو کوئی جو چاہتا کہہ دیتا۔'' (مقدمہ صحیح مسلم)

محدثین نے جہاں عام رواۃ کے لئے أسماء الرجال کا علم مدوّن کیا اور رواۃ پر جرح وتعدیل کے ضوابط مقرر فرمائے، وہاں ایسے لوگ جو نبی کریم ﷺ کی صحبت کے مدعی ہیں، ان کے اس دعویٰ کو پرکھنے کے لئے بھی کئی تفصیلات اور اصول ترتیب دیے اور اس دعوائے صحابیت کی تصدیق کے بعد یہ اُصول بھی طے کردیا کہ صحابہؓ سب کے سب عدول☆ ہیں اور وہ کسی بھی قسم کی جرح سے مبرا ہیں۔ (دیکھئے: الإصابة:۱/۱۶۲، علوم الحدیث: ص۲۶۴)

لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مدعیٔ صحبت عادل ہو، یعنی وہ اپنے صحابی ہونے میں سچا ہو۔ جب کسی کا صحابی ہونا ثابت ہوجائے تو اس پر ہر طرح کی جرح ساقط ہوجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ واضعین احادیث نے جب محدثین کی دوسرے ذرائع پر گرفت دیکھی اور نسبت ِصحابیت کے دروازے کو وا جانا تو اسے چور دروازہ کے طور پر استعمال کرنا چاہا اور صحابیت کا دعویٰ کرکے روایات بیان کرنا شروع کردیں جبکہ پاسبانِ ورثہ نبوت آنکھیں کھلی رکھے ہوئے تھے، لہٰذا ان کی نظروں سے ایسے مفسدِ دین لوگ بچ نہ سکے اور علوم نبوت کے پہرہ داروں نے ان 'چوروں' کی نقاب کشائی کا پورا پورا انتظام وانصرام کیا اور ان کے زہد وتقویٰ کے مصنوعی لبادوں کو بیچ چوراہے چاک کیا۔

مذکورہ بالا اور اس معنی کی جملہ روایات کے سلسلۂ سند کی تان چار شخصیات: ① معمر الصحابی ② قاضی شمہورش جنی ③ ابوسعید الحبشی اور ④ خضرؑ پر ٹوٹتی ہے۔ اور یہ راوی یا تو وہ ہیں جن کی طرف شرفِ صحابیت کو منسوب کیا جاتا ہے یا جنہوں نے نبی ﷺ کی وفات کے دوسو سال بعد آپؐ سے ملاقات کا دعوی کیا اور ان کے متعلق مشہور ہے کہ ان لوگوں نے لمبی عمر پائی جس کی وجہ سے ایسے لوگوں کو مُعَمّرین کہا جاتا ہے۔

یہاں ہم اپنے بعض قارئین کی یاددہانی کے لئے فن حدیث کے اس مشہور اُصول کا تذکرہ مناسب خیال کرتے ہیں کہ اگر سلسلۂ سند میں کوئی ایک راوی بھی غیر عادل، غیر ثقہ ہو یا سلسلۂ سند کسی ایک مقام سے بھی منقطع ہو تو فن حدیث کی رو سے وہ روایت 'ضعیف' یعنی ناقابل

☆ ماہنامہ محدث میں تفصیلی تحقیقی مضمون دیکھئے: 'تمام صحابہ عادل ہیں' (شمارہ مارچ ۱۹۹۵ء، ص ۶۶ تا آخر)

www.KitaboSunnat.com

اعتبار ہوتی ہے۔ ایسی حدیث سے شریعتِ مطہرہ کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے اس نوعیت کی تمام روایات میں اگر مذکورہ بالا چار بنیادی رواۃ کا جائزہ لے لیا جائے جو ہر کسی سلسلہ سند میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہیں، تو اس سے اس روایت کی فنی وشرعی حیثیت کا واضح تعین بخوبی ہوجائے گا۔

مذکورہ بالا چاروں راوی اپنی اپنی روایت میں اس امر کے مدعی ہیں کہ انہوں نے یہ فرمان نبی آخرالزمان محمد ﷺ سے سنا ہے۔ گویا وہ اس طرح اپنے شرفِ صحابیت کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ محدثین نے مدعیانِ صحبتِ نبویؐ کے متعلق حدیث «أرأيتكم ليلتكم هذه فإن رأس مائة سنة عنها لا يبقى فمن هو على ظهر الأرض أحد» (صحیح بخاری:۵۶۳) اور «ما على الأرض من نفس منفوسة اليوم يأتي عليها مائة وهي حية يومئذ» (صحیح مسلم:۲۵۳۸) ''آج سے سوسال بعد جو ذی روح بھی زمین پر ہے، وہ زندہ نہیں رہے گا۔'' سے یہ اُصول اَخذ کیا ہے کہ مدعی صحبت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نبی ﷺ کے اس فرمان کے بعد سوسال کے بعد کا نہ ہو، کیونکہ نبی ﷺ کا یہ فرمان ۱۰ھ ہجری کا ہے جبکہ علی الاطلاق آخری صحابی ابوطفیل عامر بن واثلہؓ ہیں جس پر محدثین کا اتفاق ہے۔ (فتح المغیث :۱۳۹/۳) اور آپؓ راجح قول کے مطابق ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ (تقریب:۳۸۹/۱)

گویا نبی ﷺ کے فرمان کے بعد ابوطفیلؓ صحابہؓ میں سے آخر میں فوت ہونے والے شخص تھے، ان کے بعد روئے زمین پر کوئی بھی صحابیؓ باقی نہ رہا۔ اس وجہ سے ۱۱۰ ہجری کے بعد کے مدعیانِ صحبت کا کوئی اعتبار نہیں۔ مذکورہ تمہید کے بعد اب ہم روایات کے مرکزی کرداروں کا بالترتیب ذکر کرکے ان کی حیثیت واضح کرتے ہیں۔

❶ ابوعبداللہ المعمر الصحابی کی حیثیت؛ ماہرین فن کی نظر میں

❶ حافظ ابن حجر کے اقوال: یہ وہ شخص ہے جس نے حضرت ابوطفیلؓ کی وفات کے بعد صحابیت کا دعویٰ کیا اور اس کی عمر ۴۰۰ سال بتائی جاتی ہے اور اس کی اس روایت کو روایت مسلسل بالمصافحة المعمرية کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''شخص اختلق اسمه بعض الكذابين من المغاربة'' (الإصابة:۲۹۱/۶)

© rasailojaraid.com

''اس کردار کو مغاربہ کے بعض کذاب لوگوں نے گھڑا ہے۔''

◉ مزید معمر بن بُریك کے ترجمہ میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں: ''وقد وقع نحو هذا في المغرب محدث شيخ يقال له أبوعبد الله محمد الصقلي قال: صافحني شيخى أبو عبد الله معمر وذكر أنه صافح النبي ﷺ وأنه دعا له فقال له: عَمَّرك الله يا معمر فعاش أربع مائة سنة وأجاز لي محمد بن عبد الرحمن المكناسي من المغرب بضع عشرة وثمان مائة أنه صافح أباه صافح شيخا يقال له: الشيخ علي بن الخطاب بتونس وذكر له أنه له مائة وثلاثة وثلاثين عامًا وأن الخطاب صافح الصقلي وذكر أنه عاش مائة وستين سنة قال الصقلي: صافحني شيخي أبو عبد الله معمر وذكر أنه صافح النبي ﷺ وأنه دعا له فقال: عمّرك الله يا معمر فعاش أربع مائة سنة . فهذا كله لا يفرح به من له عقل . (لسان الميزان:۶/۶۹)

''مغرب میں ایک محدث شیخ جنہیں ابوعبداللہ محمد صقلی کہا جاتا ہے، نے کہا کہ مجھ سے میرے شیخ ابوعبداللہ معمر نے مصافحہ کیا اور ذکر کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے مصافحہ کیا اور آپ ﷺ نے میرے لئے دعا کی کہ اے معمر! اللہ تجھے لمبی عمر دے۔ پس وہ ۴۰۰ سو سال تک زندہ رہے اور مجھے اجازت دی محمد بن عبدالرحمٰن مکناسی مغربی نے تقریباً ۸۱۰ھ میں کہ اس نے اپنے باپ سے مصافحہ کیا جنہوں نے اپنے شیخ علی بن خطاب تیونسی سے مصافحہ کیا اور اس کی عمر ۱۳۳ سال تھی اور خطاب نے صقلی سے مصافحہ کیا اور اس کی عمر ۱۶۰ سال تھی اور صقلی نے کہا کہ مجھ سے مصافحہ کیا میرے شیخ ابوعبداللہ معمر نے اور اُنہوں نے ذکر کیا کہ اس نے نبی ﷺ سے مصافحہ کیا اور نبی ﷺ نے اسے دعا دی، فرمایا: اے معمر! اللہ تیری عمر دراز کرے۔ پس وہ ۴۰۰ سال تک زندہ رہے۔ (میں ابن حجر کہتا ہوں) کوئی عقل مند آدمی ان باتوں سے کبھی مطمئن نہیں ہوسکتا۔''

◉ اور اسی طرح ابن حجر الملثم کے طریق سے اسناد بیان کرکے لکھتے ہیں: ذلك مما لا أَعتَمِد عليه ولا أَفرح بعلوه ولا أذكره إلا استطرادًا (ایضاً:۱/۱۷)

''یہ سلسلۂ اسناد ایسا ہے کہ میں اس پر اعتماد نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے عالي سند ہونے پر

خوش ہوں بلکہ میں نے ضمناً اُنہیں ذکر کردیا ہے۔''

◉ مزید، الصقلي کے طریق سے سند بیان کرکے لکھتے ہیں: وهذا من جنس رتن وقيس بن تميم ومُكلبة ونَسطور (الإصابة:۶/۲۹۱)

''یہ (معمر) رتن①، قیس بن تمیم②، مکلبہ③ اور نسطور④ کے قبیل سے ہے۔''

◉ عبدالباقی انصاری اس روایت کے ضمن میں حافظ ابن حجرؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"المعمر شخص من المغاربة اختلف في اسمه وهو من الكذابين"

(مناهل السلسلة: ص۵۱)

''معمر ایک مغربی شخص ہے، اس کے نام میں اختلاف ہے اور یہ انتہائی جھوٹا آدمی ہے۔''

❷ اسی معمر کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے علامہ صغانیؒ لکھتے ہیں:

وما يحكىٰ عن بعض الجهال من أنه اجتمع بالنبي عليه السلام وسمع منه ودعا له النبي ﷺ بقوله "عمّرك الله" ليس له أصل عند أئمة الحديث وعلماء السنة، وكلها موضوعة ولم يعش من الصحابة ممن لقِي النبى عليه السلام أكثر من خمس وتسعين سنة وهو أبوطفيل فبكوا عليه وقالوا: هذا آخر من لقي النبي واجتمع بالرسول ﷺ وهذا هو الصحيح تصديقا لقوله ﷺ حين صلى العشاء الآخرة في آخر عُمُره ليلة فقال لأصحابه: «أرأيتكم ليلتكم... الخ»

---

① امام ذہبی کہتے ہیں: "وما أدراك ما رتن! شيخ دجال بلا ريب ظهر بعد الستمائة فادعى الصُّحبة" (میزان الاعتدال:۲/۴۵)

''تو کیا جانے رتن کیا ہے؟ بلا ریب یہ دجالوں کا شیخ ہے جس نے ۶۰۰ھ کے بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کیا۔''

② ابن حجرؒ کہتے ہیں: "من نمط أشج العرب ومن نمط رتن الهندي.." (الاصابہ:۵/۲۸۷)

''......قیس بن تمیم رتن ہندی کی قبیل سے ہے۔'' اس نے ۵۱۷ھ میں صحابی ہونے کا دعویٰ کیا۔

③ ابن حجر کہتے ہیں: "شخص كذاب أو لا وجود له..." (ایضاً:۶/۲۹۸)

''یہ کذاب شخص ہے یا پھر فرضی کردار ہے۔'' اور یہ تیسری صدی ہجری کا ہے۔

④ ابن حجرؒ کہتے ہیں: ''کذابین میں سے تھا۔ نبیؐ کی وفات کے بعد اس کی عمر ۳۰۰ سال تک بتائی جاتی ہے۔'' (ایضاً:۶/۲۷۱)

www.KitaboSunnat.com

''بعض جہال کے بارے میں جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شخص نبی ﷺ سے ملا اور نبی کریمؐ نے اس کے لئے اللہ سے درازئ عمر کی دعا کی۔ اس روایت کی ائمہ حدیث اور علماے سنت کے نزدیک کوئی اصل نہیں، ایسی روایات سب کی سب موضوع ہیں۔ صحابہؓ میں سے کسی نے نبی ﷺ سے ملاقات کے بعد ۹۵ سال سے زیادہ زندگی نہیں گزاری اور وہ (اتنی مدت گزارنے والے صرف) ابوطفیلؓ ہیں، جن کی وفات پر لوگ روتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے آخری صحابیؓ ہیں اور یہی بات نبیؐ کے اس فرمان کے مطابق درست ومصدقہ ہے کہ آپ ﷺ نے آخری عمر میں عشا کی نماز پڑھائی اور اپنے اصحاب کو فرمایا: «أريتكم ليلتكم...الخ»

۳ ایسی روایات اور اس نوعیت کے دعوؤں کے بارے میں علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں:

قلت: ودعوٰى من ادعى الصحبة أو ادّعِيتْ له بعد أبي الطفيل وهم جبير ابن الحارث والربيع بن محمود المارديني ورتن وسرباتك الهنديان ومعمر ونسطور أو جعفر بن نسطور الرومي وبسر بن عبيدالله الذين كان آخرهم رتن فإنه فيما قيل: مات سنة اثنتين وثلاثين وستمائة، باطلة (فتح المغيث:۱۴۰/۳)

''میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوطفیلؓ کے بعد جس نے صحابیت کا دعویٰ کیا یا جس کے بارے میں صحابی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے مثلاً جبیر ابن حارث، ربیع بن محمود ماردنی، رتن ہندی، سرباتک ہندی، معمر، نسطور یا جعفر بن نسطور رومی اور بسر بن عبیداللہ ہیں اور ان میں سب سے آخر میں رتن ہندی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ۶۳۲ھ میں مرا، یہ دعوی سراسر باطل ہے۔''

۴ معمر کی روایات کے متعلق ایسا ہی مسئلہ علامہ سیوطیؒ کے سامنے بھی پیش ہوا اور اُنہوں نے تفصیل سے ان روایات کے بارے میں اپنا موقف دلائل کے ساتھ ذکر کیا۔ یہ تفصیل علامہ کی اپنی زبانی ان کی ایک کتاب سے من وعن درج ذیل ہے:

''کسی نے ان سے سوال کیا کہ أبو العباس المُلثِّم عن معمر الصحابي أن النبي رآه يوم الخندق وهو ينقل التراب بغلقين وبقية الصحابة ينقلون بغلق واحد فضرب بكفه الشريف بين كتفيه وقال له: عمّرك الله يا معمر...

''ابوالعباس ملثم معمر صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خندق والے دن اس کو

www.KitaboSunnat.com

دیکھا کہ وہ دو پتھروں میں مٹی منتقل کر رہا ہے جبکہ باقی صحابہؓ ایک پتھر میں مٹی ڈھو رہے تھے تو آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان چار دفعہ مارا اور فرمایا: اے معمر! اللہ تیری عمر دراز کرے۔'' اور یہ ضربات کی برکت تھی کہ اس کے بعد وہ ۴۰۰ سال تک زندہ رہا، چار ضربیں تھیں، ہر ضرب کے بدلے ایک سو سال عمر میں اضافہ ہوا اور اس کے بعد اس سے مصافحہ کیا اور فرمایا: «من صافحك إلى ست أو سبع لم تمسه النار» ''جو تجھ سے (آگے) چھ یا سات آدمیوں تک مصافحہ کرے گا، اسے جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔'' کیا اس کو ائمہ میں سے کسی نے روایت کیا ہے یا یہ کذب وافترا ہی ہے؟

جواب از علامہ سیوطیؒ: یہ روایت ایک دفعہ شیخ صلاح الدین طرابلسی نے امیر تمراز کی مجلس میں روایت کی، میں بھی اس مجلس میں موجود تھا تو میں نے کہا کہ یہ روایت بالکل باطل ہے اور معمر کذاب اور دجال ہے۔ دلیل کے طور پر میں نے نبی ﷺ کا فرمانِ مبارک «أرأیتكم لیلتكم هذه...الخ» پیش کیا اور کہا کہ محدثین کہتے ہیں کہ جو شخص نبی ﷺ کی وفات کے ایک سو سال بعد صحابیت کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔ اور آخری صحابی ابو طفیلؓ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے تھے تو مجھ سے شیخ صلاح الدین نے اس کے متعلق کہیں لکھا ہوا طلب کیا تو میں نے علامہ ذہبیؒ کی المیزان دیکھی جس میں اُنہوں نے معمر بن بریک کے ترجمہ میں لکھا تھا کہ اس کی عمر دوسو سال تھی اور اس سے پانچ روایاتِ باطلہ روایت کی گئی ہیں جن کا کذب واضح ہے اور وہ رتن ہندی کی قبیل سے تھا۔ اللہ جھوٹ بولنے والے کو ذلیل کرے، تب میں نے شیخ صلاح الدین کو المیزان بھجوائی جس پر اُنہوں نے میرا شکریہ ادا کیا اور دعا دی۔

کافی عرصہ بعد مجھے ایک شخص نے ایک ورقہ دکھایا جس میں شیخ صلاح الدین سے یہ حدیث اور اس کو بیان کرنے کی اجازت بیان کی گئی تھی پس میں نے اسی کاغذ پر لکھ دیا کہ یہ روایت واضح جھوٹ ہے، اس کی روایت اور تحدیث جائز نہیں اور ہر مسلمان جان لے کہ معمر دجال وکذاب ہے اور اس کا یہ قصہ محض کذب وافترا ہے اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی سے ایسی روایت لے یا کسی کو روایت کرے اور جو شخص ایسا کرے گا، وہ نبی ﷺ کے قول: «من كذب علي (متعمدًا) فليتبوأ مقعده من النار» کہ ''جس نے مجھ

پر (جان بوجھ کر) جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔'' کی زد میں ہے۔

پھر میں نے حافظ ابن حجرؒ کے معمر کے بارے میں فتاویٰ دیکھے، اُنہوں نے لکھا تھا کہ اس روایت کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں اور معمر کی سندوں میں سے کوئی سند بھی اعتراض سے خالی نہیں حتیٰ کہ معمر خود بھی انہی میں شامل ہے پس جو کوئی بھی صحابیت کا دعویٰ کرے گا تو اس کی ثقاہتِ دعویٰ کا ثبوت مطلوب ہے جبکہ اس کا عقلاً ثابت ہونا نبی ﷺ کے اس فرمان (آج کے بعد سو سال تک کوئی جان زمین پر نہیں رہے گی) کی نفی کی وجہ سے کسی کو چنداں مفید نہیں اور جو شخص اس کے بعد صحابیت کا دعویٰ کرتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اس کا دعویٰ اس فرمانِ نبوی ﷺ کے صریح مخالف ہے۔

پھر میں نے حافظ ابن حجرؒ کے مزید فتاویٰ بھی دیکھے جس میں اُنہوں نے لکھا تھا کہ

''معمر والی روایت بالکل بے اصل ہے اور معمر مذکور یا تو کذاب ہے یا اس کی طرف کسی کذاب نے جھوٹ گھڑا ہے اور علی الاطلاق فوت ہونے والے آخری صحابی ابوطفیل عامر بن واثلہ لیثیؓ ہیں۔امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ نے یہ روایت بیان کی ہے اور جو شخص ابوطفیلؓ کے بعد صحابیت کا دعویٰ کرتا ہے، وہ کاذب ہے۔''

(الحاوي للفتاوي ازسیوطی: ج۲/ص۲۶۲ تا ۲۶۴)

❷ قاضی شمہورش جنی

اس کا ترجمہ کہیں مل نہیں سکا۔ غالباً یہ جنات میں سے تھا جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے۔ علامہ کتانی نے فہرس الفهارس میں عبدالباقی لکھنوی کے ترجمہ کے تحت قاضي مَهنية الصحابي الجني کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ومن غرائب رواياته رواية لنيف وأربعين حديثا عن جده محمد عبد الرزاق عن القاضي مهنية الجني الصحابي فيما ذكر عن المصطفى ﷺ''

''اسکے غرائب میں سے چالیس سے زائد وہ روایات ہیں جو یہ اپنے دادا محمد عبدالرزاق سے وہ قاضی مہنیہ جنی صحابی سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔'' (۱/۲۴۶،۲/۲۴۷)

آغاز میں درج کردہ سند بھی چونکہ عبدالباقی لکھنوی سے ہے، اور علامہ کتانی کا یہ تبصرہ بھی عبدالباقی لکھنوی کے ترجمہ کے ضمن میں درج ہے، اس لئے شمهورش اور مهنيه کا ایک

© rasailojaraid.com

ہی جن کے دو نام ہونا بھی خارج از امکان نہیں ۔ بہرحال یہ شخصیت بھی صحابی ہونے کی دعوے دار ہے۔ اور یہ بھی حضرت ابوطفیلؓ کی وفات کے بعد روایت کرتا ہے۔ اس کے صحابی ہونے میں حسبِ ذیل اُمور مانع ہیں:

① مسلمان جنات اگرچہ انسانوں کی طرح شریعتِ محمدیؐ کے مکلّف ہیں کہ وہ اللہ کے آخری نبی ﷺ اور قرآن کو تسلیم کریں اور شریعتِ محمدیؐ پر عمل پیرا ہوں جس پر جزا وسزا اور تخاطبِ جن وانس اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کی نصوص دلیل ہیں۔

اسی طرح محدثین کے ہاں راجح مسلک کے مطابق ایک جن بھی صحابی ہوسکتا ہے جیسا کہ نصیبین کے جنات کے ایک گروہ نے آپ ﷺ سے قرآن سنا اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ (الإصابة:١/١٥٨)

اسی طرح جنوں کا انسانوں سے سماع کرنا اور جنوں کو سنانا بھی ثابت ہے جس کی دلیل ﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ...الخ﴾ (الاحقاف:٢٩) ہے، لیکن کسی انسان کا جنوں سے روایت لینا بہرحال محل نظر ہے، کیونکہ روایات کے متعلق اسناد کو پرکھنے کے لئے ائمہ جرح تعدیل نے ضوابط مقرر فرمائے ہیں اور اس کے لئے باقاعدہ اسماء الرجال کا فن وجود میں آیا ہے جس میں ہر راوی کے احوال درج ہیں اور اس کی ثقاہت وعدالت پر پوری بحث موجود ہے۔ جبکہ اس غیر مرئی قوم کے رجال کے احوال ضبط میں لانا محال ہے اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ اسماء الرجال نے اس کی کوشش بھی نہیں کی، لہٰذا جنات کی عدمِ توثیق کی وجہ سے کسی جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ جھوٹ کہہ رہا ہے یا سچ۔ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

وأما رواية الإنس عنهم فالظاهر مَنعُها لعدم حصول الثقة بِعَدَالتِهم

''رہا انسان کا جنوں سے روایت کرنا تو اس کی ممانعت ان کی ثقاہتِ عدالت کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے واضح ہے۔'' (الأشباه والنظائر للسيوطي ص٢٥٨، الأشباه والنظائر على مذهب أبي حنيفة النعمان لابن نجيم،ص ٣٢٩)

اسی طرح ابن حجر ہیتمی مکی نے بعض حفاظ کے حوالے سے لکھا ہے:

توقف في ذلك بعض الحفاظ بأن شرط الراوي العدالة والضبط وكذا مدعي الصحبة شرطه العدالة والجن لا نعلم عدالتهم

''جنوں کی روایت کے بارے میں بعض حفاظ نے راوی کی عدالت وضبط کی شرط کی وجہ سے توقف اختیار کیا ہے اور اسی طرح مدعی صحبت کے لئے بھی عدالت کی شرط ہے جبکہ جنات کی عدالت کے بارے میں ہم نہیں جان سکتے ہیں۔'' (الفتاویٰ الحدیثیة :ص۱۷)

لہٰذا روایت کے معاملہ میں جنات پر کسی قسم کا اعتماد نہیں کیا جاسکتا جبکہ شروع میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ مدعی صحبت کے لئے بھی ضروری ہے کہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو جبکہ ایک جن اگر نبی ﷺ کے ساتھ ملاقات کا دعویدار ہے تو ہم اس کو جن ہونے کی وجہ سے سچا نہیں مان سکتے، کیونکہ اس کی توثیق کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ جب کہ کسی انسان کی بھی کوئی مشاہداتی گواہی موجود نہیں کہ اس جن کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے۔

الغرض جنات کے احوال کو درج کرنا انسانوں پر تکلیف ما لا یطاق کے ضمن میں آتا ہے، اسی لئے کتب اسماء الرجال میں جنات کے احوال کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔اس بنا پر کسی روایت کی سند میں کسی 'جن' کے راوی ہونے سے اس راوی کے حالات سے جہالت لازم آتی ہے۔ اور واضح ہے کہ کسی ایک راوی کے حالات کا علم نہ ہونا اس حدیث کے ضعف کے لئے کافی ہے، جیسا کہ اس کے لئے فن حدیث میں مجہول کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور حدیث کی یہ نوعیت ضعیف احادیث کی اقسام میں شمار ہوتی ہے۔

④ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان اس امر کو مستلزم کہ اس فرمان نبویؐ کے صدور کے بعد کسی ذی نفس کی روے زمین پر ۱۰۰ سال سے زیادہ زندگی غیر ثابت شدہ امر ہے۔ چنانچہ مدعیٔ صحبت جن ہو یا انسان، وہ سب اللہ کے نبی ﷺ کی حدیث «ما علی الأرض من نفس منفوسة ...الخ» کے قول میں شامل ہیں۔ لہٰذا محدثین کا مدعیٔ صحبت کے متعلق یہ اُصول کہ اس کا ۱۱۰ھ سے پہلے تک ہونا ضروری ہے، اٹل ہے۔ بلکہ علامہ عراقی تو یہاں تک کہتے ہیں:

لو ادعاه بعد مضي مائة سنة من حين وفاته ﷺ فإنه لا يقبل وإن كانت قد ثبتت عدالته قبل ذلك في الحديث الصحيح «أرأيتكم ليلتكم... الخ»

''اگر کوئی نبی ﷺ کی وفات کے سو سال کے بعد صحابیت کا دعویٰ کر دے، اگرچہ اس سے

© rasailojaraid.com

پہلے اس کی عدالت معلوم ہوچکی ہے تو بھی اسے قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نبی ﷺ کی صحیح حدیث ہے «أرأيتكم ليلتكم ... الخ»'' (فتح المغيث:۱۰۵/۳)

لہٰذا ان نکات کی بنا پر قاضي شمهورش جني یا قاضي مهنية کے قول یا روایت کا اسلامی شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

③ ابوسعید الحبشي الصحابي المعمر

یہ صاحب بھی شرفِ صحابیت کے دعویدار ہیں، جیسا کہ ان کی روایت گزر چکی ہے جسے روایت مسلسل بالمصافحہ بالحبشیہ کہا جاتا ہے، یہ روایت بھی دو وجہ سے قابل ردّ ہے۔

① ابوسعید حبشی مجہول شخص ہے۔ رواۃِ حدیث کے حالات کا علم رکھنے والوں نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ عبدالباقی انصاری نے اپنی مُسلسل میں اس روایت کی سند پر قاوقجی اور ابن طیب کے شکوک کا تذکرہ کیا ہے:

قال القاوقجي: **أبوسعيد الحبشي** لم يعرف في الصحابة ولعله وممن لم يشتهر وقال ابن الطيب في مسلسلاته: هي أغرب المصافحات وأوهاها وأكثرها جهلا من مبتدء خبرها إلى منتهاها وقد أولع بها الفرس ولا سيما الطائفة النقشبندية ثم ساق سند المصافحة وقال: فهي مع الجهل برجالها وعدم معرفة حفاظها روائح الوضع فائحة من فواتح ألفاظها . (المناهل السلسلة: ص۵۵)

''قاوقجی کہتے ہیں کہ ابوسعید حبشی کا صحابہ میں سے ہونا نامعلوم ہے۔ شاید وہ غیر معروف صحابہ میں سے ہوں اور ابن طیب نے اپنی مسلسلات میں کہا کہ یہ روایت مصافحات کی روایات میں سے عجیب ترین اور ان روایات میں سے سب سے بے کار ہے۔ اس کی ابتدا سے انتہا تک اکثر رواۃ مجہول ہیں اور اس کی طرف زیادہ تر فارسی لوگ خصوصاً سلسلہ نقشبندیہ کے اصحاب لگاؤ رکھتے ہیں۔ پھر اس نے مصافحہ والی سند آگے ذکر کی اور کہا کہ ''پس یہ روایت اپنے رواۃ کی جہالت، حفاظ کی عدمِ معرفت اور ابتدائی الفاظ وغیرہ سب سے اس کی وضع کی بو آرہی ہے۔''

② بالفرض ابوسعید الحبشی کی جہالت دور ہو بھی جائے اور ثقاہت ثابت ہوجائے تب

www.KitaboSunnat.com

بھی محدثین کے نبی ﷺ کی حدیث «أرأیتکم لیلتکم ......الخ» سے اخذ کردہ اصولی کسوٹی پر اس کا کھوٹا ہونا واضح ہے۔

4 حضرت خضر علیہ السلام

حضرت خضرؑ کے متعلق بہت سی موضوع وضعیف روایات بیان کی جاتی ہیں جن میں نبی ﷺ سے مصافحہ کرنے والی روایت بھی ہے، جو روایت مسلسل بالمصافحة الخضرية کے نام سے مشہور ہے اور یہ روایت مناهل السلسلة ص ۴۵ تا ۴۷ میں مختلف اسناد سے حضرت خضرؑ کے واسطے سے مروی ہے۔

اس روایت کی تحقیق سے متعلقہ چند باتیں قابل غور ہیں:

① خضر علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں یا نہیں؟

② ان کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں؟

③ ان کا شمار نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اب ہم مندرجہ بالا نکات کا جائزہ لیں گے:

حضرت خضرؑ کے بارے میں تین اقوال ہیں: ① فرشتہ ② ولی ③ نبی

① جہاں تک حضرت خضرؑ کے فرشتہ ہونے کا قول ہے اور یہ قول ماوردیؒ کا ہے اور یہ شاذ قول ہے اور امام نوویؒ اور ابن کثیرؒ نے اس کا ردّ فرمایا ہے۔ (شرح مسلم: ۱۵/۱۴۶، البدایہ ۱/۳۲۸)

② حضرت خضر کا ولی ہونا: اب رہا یہ اختلاف کہ وہ نبی ہیں یا ولی؟ تو واضح ہے کہ یہ اختلاف نبی ﷺ کی وفات کے تقریباً تین سو سال بعد اس وقت رونما ہوا جب عجمی تصوف کے علمبرداروں نے مسلمانوں میں اس بے ہودہ عقیدہ کو رواج دینا چاہا کہ معاذ اللہ ولی علم و فضل اور ادراک و معرفت میں نبی سے افضل ہوتا ہے اور وہ باطنی علوم و معارف کی وجہ سے علومِ ظاہری کے حامل جملہ انسانوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ الٰہی افکار کے نتیجہ میں قرآن مجید میں مذکور قصہ موسیٰؑ و خضرؑ کے حوالے سے یہ بات مشہور کی گئی کہ حضرت خضرؑ چونکہ علم لدنی کے حامل اور حضرت موسیٰؑ صرف علوم ظاہری سے آشنا تھے اس لئے وہ حضرت خضرؑ کی خدمت میں حاضری دیتے اور ان کے سامنے زانوے تلمذ طے کرتے نظر آتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

مگر جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ یہ عقیدہ عجمی تصوف کی پیداوار اور بعض صوفیا کی اثر پذیری کا نتیجہ ہے، اسی لئے چوتھی صدی ہجری سے پہلے ایسے غیر حقیقت پسندانہ نظریات کا وجود ناپید رہا۔ بعد میں کچھ مہربانوں نے متعدد ایسی روایات کو وجود بخشا جن سے مذکورہ بالا عقیدہ کی نقلی تائید مقصود تھی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

◉ ومن هٰؤلاء من يفضل الأولياء على الأنبياء وقد يجعلون الخضر من هؤلاء وهذا خلاف ما أجمع عليه مشايخ الطريق المقتدى بهم دع عنك سائر أئمة الدين وعلماء المسلمين (فتاویٰ:۱۳/۲۶۷)

''اور وہ لوگ جو اولیا کو انبیا پر فضیلت دیتے ہیں اور خضرؑ کو ان اولیا میں شمار کرتے ہیں، یہ دعویٰ ائمہ دین اور علماے مسلمین کی تو بات چھوڑ، ان مشائخ طریقت جن کی اقتدا کی جاتی ہے کے اجماع کے بھی خلاف ہے۔''

◉ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وكل هذه المقالات من أعظم الجهالات والضلالات بل من أعظم

''اور یہ تمام باتیں عظیم جہالتیں اور بڑی ضلالتیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔'' (ایضاً:۱۱/۴۲۲)

◉ علامہ ابن ابی العز حنفی کہتے ہیں:

"وأما من يتعلق بقصة موسى مع الخضر عليهما السلام في تجويز الاستغناء عن الوحي بالعلم اللدني الذي يدّعيه بعض مَن عَدِم التوفيق فهو ملحد زنديق... فمن ادّعٰى أنه مع محمد كالخَضِر مع موسٰى أو جوّز ذلك لأحد من الأمة فليجدِّد إسلامه وليشهد شهادة الحق فإنه مُفارق لدين الإسلام بالكلية فضلا عن أن يكون من أولياء الله وإنما هو من أولياء الشيطان وهٰذا الموضع مُفَرق بين زنادقة القوم وأهل الاستقامة"

(شرح العقيدة الطحاوية:ص۵۱۱)

''اور جو شخص علم لدنی کے ساتھ علم وحی سے بے پرواہی کے جواز کا تعلق موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ سے جوڑتا ہے، جس طرح کہ توفیق سے بے بہرہ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں پس وہ ملحد اور زندیق ہے۔ جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبیؐ کے ساتھ اسی طرح ہوں جس طرح خضرؑ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے یا وہ امت میں سے کسی کے لیے یہ شرف

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

تجویز کرتا ہے، اسے اپنے اسلام کی تجدید کرنی چاہیے اور کلمہ شہادت پڑھے، کیونکہ وہ دین سے کلی طور پر خارج ہو چکا ہے چہ جائیکہ اس کا شمار اولیاء اللہ میں ہو بلکہ وہ شیطان کے ولیوں میں سے ہے۔ یہی مسئلہ زنادقہ اور اہل استقامت (اہل السنہ) کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔''

◉ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس عقیدہ کو زنادقہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

" وکان بعض أکابر العلماء یقول: أول عقدة تحل من الزندقة اعتقاد کون الخضر نبیًا لأن الزنادقة یتذرعون بکونه غیر نبي إلیٰ أن الولي أفضل عن النبي کما قال قائلهم:

مقام النبوة في برزخ　　　فویق الرسول ودون الولي

''بعض اکابر علما نے کہا ہے کہ خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کا عقیدہ زندیقیت کی پہلی گرہ کھول دیتا ہے، کیونکہ زنادقہ ولی کی نبی پر فضیلت کے لیے خضر علیہ السلام کے غیر نبی ہونے کو آڑ بناتے ہیں جس طرح کہ ان لوگوں میں سے کسی نے کہا: برزخ میں نبوت کا مقام رسول سے کچھ اوپر اور ولی سے نیچے ہے۔'' (الإصابة:۲/۲۴۸)

③ حضرت خضر علیہ السلام کا نبی ہونا: آپؑ کے بارے میں جمہور علما اسی بات کے قائل ہیں کہ آپ نبی تھے۔ ثعلبیؒ کہتے ہیں کہ جمہور اقوال کے مطابق وہ نبی ہیں۔ (الزهر النضر: ص۶۶) امام قرطبیؒ نے (تفسیر قرطبی:۱۱/۱۶) میں، علامہ آلوسیؒ نے (روح المعاني:۱۵/۳۲۰) میں اور ابوحیان نے (البحر المحیط :۶/۱۴۷) میں حضرت خضرؑ کے نبی ہونے کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن حجرؒ نے بھی دونوں طرح کے اقوال بیان کر کے راجح اسی کو قرار دیا ہے کہ خضرؑ نبی تھے، فرماتے ہیں: "قلت ذلك لأن غالب أخباره مع موسی هي الدالة علی تصحیح قول من قال:إنه کان نبیا" ''میں کہتا ہوں کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ پیش آنے والے ان کے اکثر واقعات یہ بتاتے ہیں کہ ان کو نبی قرار دینے والوں کی بات ہی صحیح ہے۔ (الإصابة:۲/۲۴۹، المنار المنیف: ص۸۴ بتحقیق محمود مہدی استنبولی)

حضرت خضرؑ کی موت وحیات؟

اب حیاتِ خضرؑ کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا وہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں؟ اس میں بھی جماعتِ صوفیا پیش پیش رہی کہ حضرت خضرؑ کی حیات کو ثابت کیا جائے جس کے

لئے کشف وکرامات اور ایسی روایات جن کا غیر مستند ہونا ظاہر و باہر ہے، کا سہارا لیا گیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے خضرؑ کی زندگی کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اُنہوں نے حضرت خضرؑ کے متعلق نبی ﷺ کے زمانہ اور بعد کے زمانہ سے متعلقہ تمام روایات کو ذکر کر کے ہر روایت پر ائمہ جرح وتعدیل کی جرح بھی نقل کردی ہے۔

(دیکھئے: الزهر النضر في حال الخضر بتحقيق صلاح الدين مقبول احمد: ص٨٦ تا ١٦٢)

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے خضرؑ کی وفات پر محدثین کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جو بالاختصار درج ذیل ہیں:

ابوحیانؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمہور کے مسلک کے مطابق وہ فوت ہوچکے ہیں۔ ابن ابی الفضل المرسی سے بھی یہی نقل ہے کہ اگر خضرؑ زندہ ہوتے تو نبی ﷺ کے پاس ضرور آتے اور ایمان واتباع سے بہرور ہوتے۔ تفسیر اصبہانی میں حسن بصریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت خضرؑ فوت ہوچکے ہیں۔ اسی طرح امام بخاریؒ سے پوچھا گیا کہ خضرؑ اور الیاسؑ زندہ ہیں؟ تو اُنہوں نے فرمایا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أرأيتكم ليلتكم... الخ» (الإصابة: ٢/٢٥٦) اور خود ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

" قلت: وهو حيث مسلّم يدل أن الخضر المشهور ماتَ "

(الزهر النضر: ١٦١، الإصابة: ٢/ ٢٨١)

''میں کہتا ہوں اس سے یہی بات مسلم ومشہور ہے کہ خضر فوت ہوچکے ہیں۔''

حافظ ابن قیمؒ کا دعویٰ ہے کہ امام ابن تیمیہ، امام بخاری، ابن جوزی، قاضی ابویعلی حنبلی، علی موسیٰ الرضا، ابراہیم بن اسحٰق حربی، ابوالحسین بن مناوی رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر محدثین ان کی موت کے قائل ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: المنار المنیف: ص٧٥ تا ٧٨ بتحقیق محمود مہدی استنبولی

☜ اسکے علاوہ درج ذیل نصوص سے بھی حضرت خضر علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے:

① اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾

© rasailojaraid.com

''ہم نے آپ سے قبل کسی بھی انسان کو دائمی زندگی نہیں دی اگر تم فوت ہو گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے۔'' (الانبیاء:۳۴)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے پہلے اور بعد کسی بشر کو زندگی کا استمرار نہیں دیا۔ لہٰذا خضرؑ کے متعلق کس طرح یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں؟

② سورۂ آلِ عمران کی آیت ۸۱ میں تمام انبیاے کرام علیہم السلام کا یہ وعدہ ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِيْ قَالُوْا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾

''یاد کرو! اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج میں نے تمہیں کتاب اور حکمت ودانش سے نوازا ہے کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں، اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔''

حضرت خضرؑ کے بارے میں یہ بات ثابت ہے کہ وہ نبیؑ تھے جب کہ مذکورہ بالا آیت میں لیے گئے وعدہ میں وہ بھی شامل ہیں اور ان پر بھی یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ اگر وہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ہوتے تو آپؐ کی ضرور بالضرور تائید کرتے جس کی ایک بھی نظیر روایات میں موجود نہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

③ نبیؐ نے فرمایا: «لو كان أخي موسى حيًا ما وسعه إلا اتباعي»☆

''اگر میرا بھائی موسیٰ زندہ ہوتا تو اسے بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔''

(مسند احمد: ۳/۳۸۷)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر خضرؑ نبی ﷺ کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو آپؐ پر ایمان لاتے جس کا تذکرہ کہیں موجود نہیں۔

☆إرواء الغليل: ۱۵۸۹ میں علامہ البانیؒ اور مسند احمد کی تحقیق میں حمزہ احمد الزینؒ نے اسے حسن کہا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojarai.com

④ نبیؐ نے فرمایا: «ما علىٰ الأرض من نفس منفوسة اليوم يأتي عليها مائة وهي حية يومئذ» (مسلم:۲۵۳۸)

''آپ سے سو سال کے بعد جو ذی نفس بھی زمین پر ہے، وہ زندہ نہیں رہے گا۔''

بالفرض حضرت خضرؑ کا وجود نبی ﷺ کے زمانہ میں مان بھی لیا جائے تو وہ اس روایت کے عموم میں شامل ٹھہرتے ہیں جو کہ ان کی موت ثابت کرتا ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ «أرأيتكم ليلتكم... الخ» اور اس معنی کی دوسری روایات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فهذه الأحاديث الصحاح تقطع دابر دعوىٰ حياة الخضر (بحوالہ البدایہ والنہایہ:۱/۳۳۶) ''یہ روایاتِ صحیحہ حیاتِ خضرؑ کے دعویٰ کی جڑ کاٹ دیتی ہیں۔''

☜ اب ہم خضرؑ کی وفات اور ان کی حیات سے متعلقہ واردشدہ روایات کی حیثیت پر علما ومحدثین کے مزید اقوال بیان کرتے ہیں:

① ابن کثیرؒ امام ابن جوزیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی کتاب عجالة المنتظر في شرح حالة الخضر میں حیاتِ خضرؑ سے متعلقہ روایات کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ وہ تمام مرفوع روایات موضوع ہیں اور اُنہوں نے صحابہؓ وتابعینؒ کی طرف منسوب آثار کا ضعف بھی واضح کیا ہے۔ (ایضاً:۱/۳۳۴)

② ابوالخطاب کہتے ہیں: جميع ما ورد في حياته لا يصح منه شيئ باتفاق أهل النقل ''اہل نقل اس پر متفق ہیں کہ حیاتِ خضرؑ کی جمیع روایات میں سے کوئی بھی مستند نہیں۔'' (الإصابة:۲/۲۵۳)

③ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: صحیح بات وہی ہے جس پر محققین قائم ہیں کہ خضرؑ فوت ہوچکے ہیں۔ اگر وہ موجود ہوتے تو نبی ﷺ پر ایمان لاتے اور ان پر زمانہ نبویؐ میں فرض تھا کہ وہ ایمان لاتے اور ان کے ساتھ جہاد کرتے جس طرح کہ سب پر جہاد فرض تھا۔ (فتاویٰ شیخ الإسلام :۲۷/۱۰۰)

④ ملا علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں: ومنها الأحاديث التي يذكر فيها الخضر وحياته، كلها كذب ولا يصح في حياته حديث واحد

''اور اسی میں سے وہ احادیث جن میں خضرؑ اور ان کی زندگی (کے استمرار) کا ذکر ہے، وہ سب کی سب باطل ہیں۔ ان کی حیات سے متعلقہ (ایسی) ایک بھی حدیث مستند نہیں۔''

(الأسرار المرفوعة بتحقيق الصباغ،ص۴۴۲)

خلاصہ : مذکورہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ

① حضرت خضرؑ نبی تھے۔ ② وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اور

③ ان کی حیات کی تمام روایات غیر مستند ہیں۔

اور اب ہم روایتِ مصافحہ کی طرف لوٹتے ہیں کہ جب آپؑ کی حضرت موسیٰؑ سے مفارقت ہوئی، اس کے بعد آپؑ کے احوال کے متعلق قرآن وسنت خاموش ہے اور اسی طرح جو مرفوع روایات یا آثارِ صحابہ ملتے ہیں، وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتے بلکہ آپؑ کی وفات پر قرآن وسنت کی نصوص اور علما محققین کی آرا موجود ہیں تو ان حالات میں اگر کوئی حضرت خضرؑ سے نبی ﷺ کی ملاقات یا خود ان سے روایت کا ذکر کرتا ہے تو ایسا دعویٰ مضحکہ خیز ہے۔

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں روایت مسلسل بالمصافحہ کی صحت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ خضر علیہ السلام کی ملاقات نبی ﷺ سے ہو، اس کا کوئی ثبوت نہیں اور یقیناً خضرؑ سے مصافحہ کا مدعی غلطی پر ہے یا تو وہ خود جھوٹ بول رہا ہے یا وہ کسی شیطان سے ملاقات کر بیٹھا ہے۔

یہاں امام احمدؒ کے اس قول کا حوالہ دینا برمحل ہوگا:

"من أحال على غائب لم ينصف منه وما ألقى هذا إلا شيطان"

''جو غائب (فوت شدہ) سے ملاقات کا حوالہ دیتا ہے، اس سے انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ (یقیناً) یہ بات شیطان کی طرف سے القا ہوئی ہے۔'' (فتاویٰ: ۴/۳۳۷)

لہٰذا یہ روایت بھی خانہ ساز اور صوفیا کی طرف سے مشہور کیا گیا محض ایک دعویٰ ہے جس کا اللہ کے رسولؐ اور حضرت خضرؑ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جملہ روایاتِ مصافحہ پر ایک تبصرہ

اب ہم مجموعی طور پر مختلف لوگوں کی طرف منسوب مصافحات پر حنفی عالم ابوغدہ عبدالفتاح الکوثری کا تبصرہ ذکر کرتے ہیں۔ ابوغدہ، ملا علی قاری حنفی کی کتاب المصنوع کی تحقیق میں مصافحہ والی روایت کے تحت لکھتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

''شیخ محمد بن قاسم بن علی ہندی حیدر آبادی اپنی کتاب القول المستحسن في فخر الحسن کے ص ۴۹۶ پر لکھتے ہیں:

(جعلی روایات میں) سات قسم کے مصافحات کا ذکر ملتا ہے:

① المصافحة العلوية الحسنية: حضرت علیؓ کا حسن بصریؒ سے مصافحہ کرنا

② المصافحة الأنسية: ابوہرمز کا انس بن مالکؓ سے مصافحہ کرنا

③ المصافحة الخضرية: حضرت خضرؑ سے مصافحہ کی نسبت

④ المصافحة المعمرية الحبشية: حبشہ کے معمرین میں سے کسی کی طرف منسوب

⑤ المصافحة المعمرية المغربية: اس مصافحہ کی نسبت معمر مغربی کی طرف ہے

⑥ المصافحة الجنية: شمہورش جنی کی طرف منسوب مصافحہ

یہ سب باطل اور بے وزن باتیں ہیں اور یہ درست نہیں کہ ان باتوں سے خوش ہوا جائے یا کوئی طالب علم ان کی تصدیق کرے۔ (المصنوع بتحقیق عبدالفتاح ابوغدہ: ص ۲۶۹،۲۷۰)

آخری بات: روایات مسلسل بالمصافحہ پر مذکورہ بالا جرح کے بالمقابل ائمہ صوفیا ان روایات کو صحیح خیال کرتے ہیں اور اس طرح بعض متساہلین نے اپنی کتب میں ان روایات کو جگہ دی اور اُنہیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان روایات پر محدثین کرام کی قرآن وسنت کے دلائل پر مبنی واضح نصوص کی بنیاد پر جرح کے برعکس صوفیا کے نزدیک ان کی صحت کا معیار دو چیزیں ہیں:

① کشف کی وجہ سے ان روایات کی صحت کو پرکھا گیا ہے۔

② اور یہ کہ خضرؑ اور دوسرے معمرین «أرأيتكم ليلتكم ... الخ» کے عموم سے خاص ہیں۔

(الإبريز لأحمد بن المبارك السلجماسي، ص ۱۶۹)

اوّل الذکر اُصول کا محدثین کے ہاں کوئی وزن نہیں کہ کشف کے ذریعے کسی روایت کی صحت پرکھی جائے۔ اور اس اصول کو پیش کرنا دور کی کوڑی لانے کے مصداق ہے۔ جبکہ آخر الذکر دعویٰ میں خصوص کی کوئی دلیل نہیں جو انہیں «أرأيتكم ليلتكم ...الخ» کے عموم سے خارج کردے، یوں بھی حضرت خضر علیہ السلام کی وفات پر کئی دیگر قرآنی دلائل بھی شاہد ہیں۔ لہٰذا بلا دلیل عام کو خاص کرنا بے اُصولی اور بے جا ضد ہے جو شریعتِ مطہرہ میں ناقابل قبول ہے۔

www.KitaboSunnat.com